صدر اسلام میں مسلمانوں کے علمی مرکز[1]

محمد سرور

کوفہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک کافی بڑی تعداد کوفہ میں آباد ہوئی تھی۔ علمی لحاظ سے ان سب میں ممتاز ترین حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ تھے۔ حضرت علی تو عراق کے دوران قیام میں سیاسیات میں لجھے رہے۔ اور جنگ وجدل نے انہیں مہلت نہ دی کہ وہ کوفہ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر سکتے البتہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے سرزمین کوفہ میں سب صحابہ کرام سے زیادہ اپنے علمی اثرات چھوڑے۔ آپ سابقین اولین میں سے تھے، بلکہ مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سب سے پہلے ایمان لانیوالوں میں سے آپ چھٹے تھے۔ ابن مسعودؓ ہجرت حبشہ اور بعد میں مدینہ منورہ کی ہجرت میں شریک تھے۔ آپ اکثر رسول اللہ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود کو قرآن مجید سے غیر معمولی شغف تھا۔ اور وہ زیادہ تر اسے پڑھتے رہتے اور اس پر غور کرتے اسی وجہ سے احکام اسلام کے فہم وادراک اور معانی قرآن اور احادیث نبوی کے سمجھنے میں ان کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا تھا۔

حضرت عمر بن خطاب نے اپنے دور خلافت میں حضرت عبداللہ بن مسعود کو کوفہ بھیجا تاکہ وہ کوفہ والوں کو دین کی تعلیم دیں۔ چنانچہ کوفہ کے کثیر التعداد لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ اور شاگردوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ان کے گرد جمع ہو گئی۔ یہ حضرت ابن مسعودؓ سے

---

[1] اس سلسلہ کا پہلا مضمون ستمبر ۶۴ء کے شمارے میں ملاحظہ ہو۔ یہ احمد امین (مصری) کی کتاب فجر الاسلام سے ماخوذ ہے۔

پڑھتے، اور ان کے نقوش علمی پر چلنے کی کوشش کرتے۔ ان کے بارے میں سعید بن جبیر کا قول ہے "ابن مسعود اور ان کے اصحاب کوفہ کی مشعلیں ہیں"۔ حضرت ابن مسعود قرآن کا درس دیتے، اس کی تفسیر بیان کرتے اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا لوگوں کو سناتے جب احکام ومسائل کے بارے میں ان سے پوچھا جاتا، تو اول تو وہ قرآن وحدیث سے استنباط کر کے ان کا جواب دیا کرتے۔ اور اگر قرآن وحدیث میں ان کا ذکر نہ ہوتا، تو وہ اپنی ذاتی رائے سے کام لیتے۔ ابن مسعود کے مکتب فکر کے یہ چھ بزرگ مشہور ہوئے۔ علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ، حارث بن قیس اور عمرو بن شرجیل۔ حضرت ابن مسعود کے بعد یہی بزرگ تعلیم وتدریس اور افتار میں ان کے جانشین ہوئے۔ یہ قرآن مجید کا درس دیتے، اور احکام ومسائل کے بارے میں ان سے جو استفسارات ہوتے ان کا جواب دیا کرتے۔

اس سلسلہ میں یہ ملحوظ رہے کہ تمام علمائے کوفہ ابن مسعود کے شاگرد نہ تھے کوفہ کے بعض علماء اخذ علم کے لئے مدینہ گئے اور وہاں عمرؓ علیؓ، ابن عباسؓ معاذؓ اور دوسرے صحابہؓ سے انہوں نے اکتساب علم کیا۔ یہی اسباب تھے جن کی وجہ سے اس دور میں کوفہ جلیل القدر علمی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ بعد میں اس سرزمین نے شریح، شعبی نخعی اور سعید بن جبیر ایسی بلند پایہ علمی شخصیتیں پیدا کیں۔ ان علمی سرگرمیوں کا سلسلہ مدارج ترقی طے کرتا ہوا آخر امام ابو حنیفہ کی ذات گرامی میں اوج کمال کو پہنچا۔

بصرہ

کوفہ کی طرح بصرہ میں بھی صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد وارد ہوئی۔ اس جماعت کے علمی سرتاج ابو موسیٰ اشعریؓ اور انس بن مالکؓ تھے۔ ابو موسیٰ اشعری یمنی تھے یمن سے آپ مکہ آئے اور وہیں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ہجرت حبشہ میں آپ شریک تھے۔ اہل علم صحابہ میں ابو موسیٰ اشعری کی ایک ممتاز حیثیت تھی۔ وہ بصرہ آئے، اور یہیں اپنی مسند درس وتدریس بچھائی ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے انس بن مالک سے پوچھا "تم نے اشعری کو کس حال میں چھوڑا ہے؟" انہوں نے کہا کہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔ "ابو موسیٰ ضعیف ہیں، لیکن اس کا ذکر ان سے نہ کرنا" احکام ومسائل کے متعلق ان کے فیصلوں اور فتوؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فقہ میں مہارت قرآن وحدیث کی معرفت سے زیادہ تھی۔

انس بن مالک انصاری تھے وہ ابھی بچے ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔ حضرت انس کو کوئی دس سال تک آپؐ کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آخر میں وہ بصرہ آ گئے تھے۔ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی۔ بصرہ میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کی جو جماعت مقیم ہو گئی تھی۔ ان میں سب سے آخر میں وفات پانے والے یہی حضرت انس بن مالک تھے۔ یہ واقعہ اغلباً ۹۲ھ کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے انس بن مالک حضرت ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ بن مسعود کے مبلغ علم تک نہ پہنچ سکے۔ ان کو فقہ سے زیادہ حدیث میں ملکہ حاصل تھا۔

اموی دور خلافت میں بصرہ کے مکتب فکر کو حسن بصری اور ابن سیرین کی تابناک شخصیتوں نے خاص امتیاز بخشا، یہ دونوں بزرگ غیر عرب موالی تھے۔ اور دونوں کو اپنے عرب حلیفوں سے علمی سرمایہ ترکے میں ملا۔ حسن بصری حضرت زید بن ثابت کے موالی تھے اور حضرت زید کی علمی عظمت اور ان کا فضل و کمال صحابہ کرام میں مسلم تھا۔ ابن سیرین حضرت انس بن مالک کے موالی تھے اور ان کی شخصیت حضرت انس کی علمیت اور ان کے فیوض صحبت کی پرتو تھی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حسن بصری اور ابن سیرین کی زندگی میں بصرہ میں انہی کا سکہ چلتا تھا، حضرت حسن بصری اخلاق کی پختگی، نیک روی، علم و حکمت اور فصاحت و بلاغت کے اوصاف کے مظہر تھے۔ ان کے اخلاق کی پختگی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے کے اظہار میں کسی بڑی سے بڑی مادی طاقت کی پروا نہیں کرتے تھے ایک دفعہ ان سے یزید بن معاویہ کی خلافت کے بارے میں پوچھا گیا۔ ابن سیرین اور شعبی نے تو اس کے متعلق رائے دینے سے احتراز کیا لیکن حسن بصری نے صریح طور پر اس کے بارے میں اپنی عدم موافقت کا اعلان کیا۔ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عبدالرحمٰن بن اشعث اور یزید بن مہلب کی بغاوتوں کے موقع پر کس طرح انہوں نے ایک سائل کے جواب میں بے دھڑک کہا تھا کہ نہ تو ان کا ساتھ دو اور نہ امیر المومنین ہی کا۔ امویوں کا عراق کا والی حجاج بن یوسف ثقفی ایک جابر و مستبد حاکم ہونے کے علاوہ ایک زبردست خطیب اور صاحب بیان بھی تھا۔ حسن بصری اپنے زمانے میں خطابت اور زور بیان میں اسی حجاج کے مدمقابل سمجھے جاتے تھے۔ ان کا سب سے نمایاں وصف ان کا زہد و اتقاء تھا۔ اسی بنا پر اہل تصوف ان کو صوفیائے کرام میں شمار کرتے ہیں۔ آپ کے حکیمانہ مقولے بطور ضرب المثل بیان کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح معتزلہ انہیں رئیس المعتزلہ مانتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے قضاء و قدر کے مسئلہ پر بحث کی اور یہ کہ وہ شخصی ارادہ کی

آزادی کے قائل تھے۔ حسن بصری فقیہہ بھی تھے۔ لوگوں کو جو نئے نئے مسائل پیش آتے تھے، وہ ان کے بارے میں آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اور آپ ان کے متعلق فتوے دیتے۔ قصہ گوئی میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ اپنے زمانے میں قصہ گویوں کے سرتاج اور ان میں سب سے صادق ترین سمجھے جاتے تھے غرض حسن بصری کی شخصیت ان تمام گوناگوں خصوصیات کی حامل تھی۔ اور ان میں سے ہر خصوصیت اُن میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ ۱۱۰ھ میں جب حضرت حسن بصری کا انتقال ہوا، تو تمام اہل بصرہ ان کے جنازے کے ساتھ تھے، یہاں تک کہ نماز عصر پڑھنے کے لئے مسجد میں کوئی نمازی نہ رہا۔

ابن سیرین نے حضرت زید بن ثابت، حضرت انس بن مالک اور شریح وغیرہ سے تحصیل علم کیا۔ آپ قابل وثوق محدث اور فقیہہ تھے۔ مسائل و احکام میں آپ سے استفتاء کیا جاتا تھا۔ ابن سیرین اور حسن بصری ہم عصر تھے۔ کبھی تو دونوں میں خوب دوستی رہتی اور کبھی آپس میں ناچاقی بھی ہو جاتی تھی۔ ناچاقی کا سبب ان دونوں بزرگوں کی طبیعتوں کا اختلاف تھا۔ حسن بصری بڑے صاف گو اور برملا بات کہنے والے تھے، آپ عصبی مزاج کے تھے۔ غم و غصہ کے اثرات سے بہت جلد متاثر ہو جاتے اور اپنی رائے کے اظہار میں خواہ وہ خطرناک سے خطرناک سیاسی مسئلے کے متعلق ہو، ذرا نہیں جھجکتے تھے۔ ان کے مقابلے میں ابن سیرین حلیم الطبع اور ہنس مکھ بزرگ تھے۔ ایسی بات کہنے سے جس پر خواہ مخواہ تعزیر و مواخذہ ہو، ہمیشہ احتراز کرتے۔ بعد میں خوابوں کی تعبیر کی وجہ سے ان کو شہرت دی گئی۔ اور اس موضوع پر ان کے نام سے ایک جعلی کتاب بھی منسوب کر دی گئی۔ گو ابن الندیم نے الفہرست میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، اور اسے ابن سیرین کی تصنیف قرار دیا ہے، لیکن متقدمین کی تالیفات مثلاً طبقات ابن سعد" میں تعبیر رویا کے سلسلے میں ان کا نام نظر نہیں آتا۔

ابن سیرین کا ۱۱۰ھ میں انتقال ہوا۔ وہ اور حسن بصری دونوں اپنے زمانے میں سرداران بصرہ شمار ہوتے تھے۔

ان مذہبی اور علمی سرگرمیوں کے علاوہ اسی زمانے میں عراق میں ایک اور تحریک بھی اُبھر رہی تھی، جسے ہم عربوں کے دور قبل از اسلام یعنی عہد جاہلیت کی یادگار سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس تحریک میں روح تو عہد جاہلیت کی بروئے کار تھی، البتہ اس کا جامہ اسلامی تھا۔

بصرہ و کوفہ میں جو عرب قبائل آباد ہوئے، ان کے ہاں پہلے سے رؤسائے قبائل کا جو رواج چلا آتا تھا، وہ ان میں ان کے اس نئے وطن میں بھی جاری رہا۔ ان رؤساء کا

وجوہات ان کے ساتھ افراد قبائل کی وابستگی دراصل عہد جاہلیت کے قبائلی نظام کا ایک مظہر تھی۔ کوفہ و بصرہ میں آباد ہونے والے عرب قبائل میں عہد جاہلیت کی طرح رؤسائے قبائل کی سیادت تسلیم کی جاتی تھی۔ افراد قبائل ان کے گرد جمع ہوتے اور صلح و جنگ میں ان کا حکم مانتے تھے۔ شعراء حسب دستور ان کی شان میں قصیدے کہتے، اور ان کے دشمنوں کی ہجو کیا کرتے۔

ان سرداران قبائل میں سے جن کے جاہ و جلال اور مروت و فیاضی کا اس دور میں بڑا شہرہ ہوا، ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر یہ ہیں:۔ بنی تمیم بصرہ کے رئیس احنف بن قیس، بنی عبدالقیس بصرہ کے رئیس حکم بن منذر، بنی بکر بصرہ کے رئیس مالک بن مسمع، بنی قیس بصرہ کے رئیس قتیبہ بن مسلم، بنی تمیم کوفہ کے رئیس محمد بن عمیر، بنی ضبہ میں سے حسان بن منذر، بنی کندہ کوفہ کے رئیس حجر بن عدی اور محمد بن اشعث وغیرھم یہ اور ان کے ہم مثل دوسری شخصیتیں اس عہد کی شاندار ادبی زندگی کا سرچشمہ تھیں ان کے دم سے عربی شعر و سخن میں عہد جاہلی کا رنگ نمایاں ہوا، یہاں ان ادبی سرگرمیوں کی تفصیل مقصود نہیں۔ صرف ان ممتاز شخصیتوں میں سے ایک نمائندہ شخصیت کے ذکر پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، بصرہ کے قبیلہ بنی تمیم کے رئیس احنف بن قیس تھے ان کے متعلق مشہور تھا کہ احنف کے برافروختہ ہونے پر ایک لاکھ تلواریں نیام سے نکل پڑتی تھیں، اور کوئی یہ نہیں پوچھتا تھا کہ احنف کے برافروختہ ہونے کا سبب کیا ہے۔ جس قبیلہ سے احنف کی پرخاش ہو جاتی، بنی تمیم اس سے بھڑ جاتے اور جب ان کی طرف سے اشارہ ہوتا۔ تو تلواریں نیام میں ہوتیں۔ امیر معاویہ احنف کے اس اثر و نفوذ سے واقف تھے، اسی لئے انہوں نے احنف کو اپنا مقرب بنایا اور ان پر اعزاز و اکرام کی بارش کی۔ امیر معاویہ نے اپنے والیوں کو بھی یہ تاکید کی تھی۔ چنانچہ جس والی سے احنف ناراض ہوتے، امیر معاویہ اس کو معزول کر دیتے۔ وہ احنف کی سخت بات بھی برداشت کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ امیر معاویہ نے ان سے کہا کہ اے احنف! جب بھی جنگ صفین کا خیال آتا ہے، دل میں سانپ سا لوٹ جاتا ہے۔ (جنگ صفین میں احنف حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر امیر معاویہ کے خلاف لڑے تھے) احنف نے جواب دیا۔ "خدا کی قسم۔ معاویہ! وہ دل جو تم سے نفرت کرتے تھے، ابھی تک ہمارے سینوں میں موجود ہیں۔ اور وہ تلواریں جو تمہارے خلاف نکلی تھیں، منحوذ نیاموں میں

ہیں۔ اگر تم لڑائی کی طرف ایک انگل بھی بڑھوگے، تو ہم ایک بالشت بڑھیں گے۔ اور اگر تم اس کی طرف چلوگے، تو ہم دوڑیں گے۔

احنف بن قیس کا وجود بصرہ کے باہم مخالف قبائل کو متحد کرنے میں بڑا کام آتا تھا اخلاق کی بلندی، فیاضی وکرم اور فضل ومروت میں ان کا نام بطور ضرب المثل لیا جاتا تھا جب ان کا انتقال ہوا تو کہا گیا کہ آج عرب کا راز جاتا رہا۔ ان کی بیوی نے ان کی وفات پر بین کرتے ہوئے کہا ہے" تو قبیلے کا سردار تھا۔ خلیفہ کے ہاں تیری بات سنی جاتی تھی اور تیسری رائے پر چلا جاتا تھا"

عراق میں فلسفیانہ سرگرمیوں کو فروغ بنی امیہ کے بعد عباسی خلافت کے دور میں ہوا چنانچہ جہاں سرزمین کوفہ نے بعض نامور فلسفی پیدا کئے، وہاں بصرہ میں اخوان الصفا نے شہرت پائی۔

شام

شام کا خطہ بڑا شاداب وزرخیز اور اس کی آب وہوا بڑی خوشگوار اور معتدل ہے اس ملک میں کثیر التعداد انبیاء مبعوث ہوئے، اور ان کی تعلیمات یہاں خوب پھیلیں۔ نیز یکے بعد دیگرے کئی قوموں اور تہذیبوں کا یہاں دور دورہ رہا۔ جو اس سرزمین پر اپنے علمی وتمدنی اثرات چھوڑ گئیں۔ سب سے پہلے فینیقین کو عروج ہوا۔ پھر کلدانی۔ مصری۔ عبرانی، یونانی اور رومی یہاں آئے۔ ان میں سے ہر ایک قوم اپنی مستقل تہذیب و تمدن رکھتی تھی۔ اور اس کے ہاں علوم وفنون کی بھی کمی نہ تھی۔ اس کا نتیجہ تھا کہ شام میں علوم وفنون بکثرت پھیلے۔ سرزمین شام میں صور، انطاکیہ، صیدا، بیروت، حمص اور دمشق علمی وفلسفی تحریکات کے مرکز رہ چکے تھے۔ شام کو فنیقین سے حروف کتابت ورثے میں ملے۔ بنی اسرائیل نے اپنی دینی تعلیمات اسے دیں یونان نے یہاں فلسفہ و حکمت کو فروغ دیا۔ اور رومیوں سے اسے قانون ملا۔ غرض اہل شام کی ذہنی تشکیل میں ان سب اثرات کا عمل دخل رہا۔ علاوہ ازیں شام اور اس کے گرد ونواح کے ملکوں میں سریانیوں کے بھی علمی مرکز تھے۔

اسلام سے قبل عرب سرزمین شام سے کافی واقف تھے۔ اور اس کی زرخیزی وثروت کی کشش انہیں اپنی آغوش میں کھینچ بھی لائی تھی۔ چنانچہ دوسری صدی قبل از مسیح میں حمص اور بطرہ میں عربی ریاستیں معرض وجود میں آئیں۔ بعد ازاں پانچویں صدی عیسوی

میں یہاں بنی غسان کے عرب قبیلے کا دور دورہ رہا۔ اور جب یہاں عیسائیت پھیلی، تو وہ بھی دائرہ عیسائیت میں داخل ہو گئے۔ اور انہوں نے مسیحی تہذیب و تمدن کو بھی ایک حد تک اپنا لیا۔ بنی غسان آرامی و عربی زبانوں سے مخلوط زبان بولتے تھے۔ اور اپنے آپ کو اہل شام میں سے تصور کرتے تھے۔

اسلامی فتوحات کے ساتھ ہی شام میں عربی زبان اور اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت شروع ہو گئی۔ اور شامی عرب قریش کی زبان (قرآن کی زبان) سیکھنے لگے نیز شام کے دیگر باشندوں نے بھی اپنے ہاں کی مروجہ زبانوں آرامی و یونانی کے علاوہ عربی بولنا اور اس کا سیکھنا شروع کر دیا۔ اسی طرح ان میں نصرانیت اور یہودیت کی جگہ اسلام پھیلنے لگا۔ دوسرے نو مفتوحہ ممالک کی طرح حضرت عمرؓ نے شام میں بھی اسلام کی تعلیم دینے کے لئے مبلغ اور معلم بھیجے چنانچہ معاذؓ، ابو الدرداؓ اور عبادہؓ بن صامت آئے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہی تینوں بزرگ شام کے مکتب فکر کے اولیں بانی تھے۔ حضرت معاذ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں اس کی فتح کے بعد اپنا نائب مقرر فرمایا تھا اور ان کی آخری عمر شام میں درس و تدریس میں گزری۔ عبادہ بن صامت انصاری تھے، اور قرآن جمع کرنے کی سعادت انہیں ملی تھی۔ ابو عبیدہ بن الجراح شام کی افواج اسلامیہ کے سپہ سالار نے انہیں حمص کا والی مقرر کیا اور ساتھ ہی ان کو فلسطین کا قاضی بنایا گیا۔ عبادہ بن صامت تعلیمات اسلامیہ میں معرفت تامہ رکھنے والے صحابہ میں سے شمار ہوتے تھے۔ اور اس کے ساتھ وہ حق کی حمایت میں بڑے سخت تھے۔ آپ نے امیر معاویہ کے بہت سے کاموں کو ناپسند کیا اور حضرت عثمان سے ان کی شکایت کی۔ حضرت عبادہ بن صامت کا شام میں ہی انتقال ہوا۔ حضرت ابو الدرداء بھی انصار میں سے تھے۔ اور اہل علم صحابہ میں سے گنے جاتے تھے۔ وہ دمشق میں قاضی مقرر ہوئے، اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان تینوں بزرگوں نے شام کے مختلف شہروں میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے علاوہ حضرت عمرؓ نے عبد الرحمٰن بن غنم کو بھی شام بھیجا تھا۔ تابعین میں سے اکثر علمائے شام انہی بزرگوں کے شاگرد تھے، ان میں سے مشہور یہ ہیں:۔ ابو ادریس الخولانی، مکحول، عمر بن عبد العزیز، اور رجاء بن حیوٰۃ۔ آخر میں شام کے مکتب فکر سے امام عبد الرحمٰن اوزاعی مشہور ہوئے، یہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے معاصر تھے۔ بعلبک میں پیدا ہوئے۔ اور دمشق و بیروت میں پرورش پائی۔ آپ کو امام اہل شام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اہل شام نے ان کا فقہی مذہب قبول کیا اور مراکش اور اندلس میں بھی اس مذہب کو فروغ ہوا، لیکن امام شافعی اور امام مالک کے

مذاہب نے اسے پنپنے نہ دیا اور وہ جلد ہی ختم ہو گیا۔

اموی عہد میں دمشق خلافت کا صدر مقام تھا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ سلطنت کے طول و عرض سے علماء دمشق کا رخ کرتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، کیونکہ خلفائے بنی امیہ نے دینی و علمی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی طرف توجہ نہ کی اور ان کی تمام تر سرپرستی شعر و سخن اور ادب و خطابت تک ہی محدود رہی لیکن چونکہ مسلمانوں میں مذہبی حمیت و جوش تھا نیز انہیں آئے دن احکام شرع کو جاننے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس لئے دینی و علمی تحریکات اپنے آپ پھیلتی رہیں۔

شام میں کافی تعداد میں عیسائی آباد تھے۔ ان میں سے بہت سے تو مسلمان ہو گئے اور باقی اپنے دین پر قائم رہے اور بطیب خاطر جزیہ دیتے رہے اب ایک طرف تو یہ نو مسلم تھے اور دوسری طرف انہی کے بھائی بند غیر مسلم تھے، جو عیسائی تھے اور دونوں کے دونوں شام میں جو مسیحی تہذیب و تمدن مروج تھا، اس کے زیر اثر تھے پھر ایک طرف گرجے اور راہب خانے تھے اور دوسری طرف مسجدیں آباد ہو رہی تھیں۔ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسلام اور نصرانیت میں ذہنی کش مکش ہوتی، اور بحث و مناظرہ کی راہیں کھلتیں۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اس کا ثبوت ہمیں مسیحی اہل قلم یحییٰ دمشقی کی کتابوں سے ملتا ہے۔ اسلام اور نصرانیت کی باہمی کش مکش اور دوسرے متضاد خیالات کی آپس کی آویزش سے شام میں قضاء و قدر اور جبر و اختیار کے مسائل چھڑے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق کہ آیا وہ عین ذات ہیں۔ یا غیر عین ذات، بحثیں ہونے لگیں۔ غالب قیاس یہ ہے کہ علم کلام کی بنیادی اینٹ شام ہی میں رکھی گئی۔

مصر

مسلمانوں نے جب مصر فتح کیا تو وہاں یونانی رومی تہذیب و تمدن کا دور دورہ تھا۔ اس سے پہلے ایک زمانے میں اسکندریہ کا علمی و فلسفی مرکز بڑے عروج پر رہ چکا تھا۔ فتح مصر کے بعد بہت بڑی تعداد میں عرب وہاں پہنچے۔ فسطاط آباد ہوا، تو اس کی آبادی میں وہی قبائلی تقسیم مدنظر رکھی گئی۔ اس کے علاوہ عرب قصبوں اور دیہات میں بھی پھیل گئے اور کھیتی باڑی کرنے لگے۔ مصر کے اصلی باشندے قبطی بھی کافی بڑی تعداد میں اسلام لائے پھر عربوں اور قبطیوں میں آپس میں بکثرت شادی بیاہ ہوئے اور اس طرح دونوں قومیں ایک دوسرے سے خلط ملط ہو گئیں۔

صحابہ کرام میں سے جو بزرگ مصر آئے، اور یہاں انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ

شروع کیا۔ اور مصر کے مکتب فکر کے بانی بنے، ان میں سب سے مشہور عبداللہ بن عمرو بن عاص تھے، انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں یاد تھیں۔ ان کی عادت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے، قلم بند کرتے جاتے۔ مجاہد کا بیان ہے میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کے پاس ایک صیحفہ دیکھا۔ میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ سچا صیحفہ ہے۔ اس میں صرف وہ حدیثیں ہیں، جو میں نے آنحضرت صلعم سے خود سنیں اور ان میں میرے اور آپؐ کے درمیان کوئی سلسلۂ روایت نہیں"۔ احادیث کے علاوہ عبداللہ بن عمرو کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ بیان کیا جاتا ہے کہ عبداللہ تورات پڑھتے تھے۔ ابن سعد نے طبقات میں شریک سے روایت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو کو سریانی پڑھتے دیکھا۔ ان سے مدینہ، شام اور مصر میں کثیر التعداد صحابہ اور تابعین نے احادیث روایت کیں جب امیر معاویہ نے عمرو بن عاص کو مصر کا والی بنایا، تو یہ اپنے والد کی معیت میں مصر پہنچے۔ عمرو بن عاص نے مرتے وقت ان کو اپنا جانشین بنایا، امیر معاویہ نے پہلے تو انہیں والی رہنے دیا، بعد میں برطرف کر دیا۔ وہ مصر ہی میں رہ پڑے، اور وہیں ان کا ایک روایت کے مطابق عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں انتقال ہوا۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص مصر کے مکتب فکر اور مرکز علمی کے حقیقی مؤسس تھے۔ مصر کے کثیر التعداد لوگوں نے ان سے اکتساب علم کیا۔ ان کے شاگرد جو کچھ ان سے سنتے قلم بند کر لیتے۔ عہد صحابہ کے بعد مصر کے علمی مرکز میں یزید بن حبیب نے بڑی شہرت پائی۔ وہ نوبیہ کے باشندے تھے، اصل وطن دنقلہ تھا انہوں نے بہت سے صحابہ سے جو مصر میں تشریف فرما ہوئے، علم حاصل کیا۔ کندی لکھتے ہیں۔ موصوف پہلے شخص تھے جنہوں نے سرزمین مصر میں حلال و حرام کے احکام اور مسائل فقہ کی اشاعت کی اس سے پہلے زیادہ تر فتن و ترغیبات پر زور تھا۔ یزید بن حبیب اور دو اور حضرات کو عمر بن عبدالعزیز نے مصر میں افتاء کی خدمت سپرد کی، جسے عربوں نے ناپسند کیا اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے موالی بام عروج پر چڑھ رہے ہیں، اور تم اس سے قاصر ہو۔ یزید بن حبیب جنگوں کی تاریخ پر بھی عبور رکھتے تھے۔ اور فتح مصر سے متعلق تاریخی معلومات، اس کے دیگر امور اور مصر کے والیوں کے تفصیلی حالات میں خاص طور سے انہیں درک تھا۔ ان کے شاگردوں میں عبداللہ بن لہیعہ اور لیث بن سعد بہت مشہور ہوئے۔ اوّل الذکر عرب تھے، اور حضرموت کے

باشندے۔ اور مصر میں حضرمیت کے لوگ کثرت سے تھے۔ ابن لہیعہ بہت سے تابعین سے ملے۔ اور ان سے علم حاصل کیا۔ وہ کچھ سنتے، قلم بند کر لیتے۔ بہت سے محدثین مثلاً بخاری اور نسائی وغیرہ ان کو ثقہ نہیں مانتے، چنانچہ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مصر کی اسلامی تاریخ کی بیشتر روایات انہیں کے ذریعہ پہنچی ہیں۔ ابن لہیعہ تقریباً نو سال تک مصر کے منصب قضا پر فائز رہے۔

صحیح ترین قول کے مطابق لیث بن سعد موالی میں سے تھے۔ وہ اصل میں اصفہان کے تھے، لیکن مرجح قول یہی ہے کہ وہ مصر میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کے لئے بہت سے شہروں کی سیاحت کی۔ تقریباً ۹۹ تابعین سے ملے اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔ امام مالک کے ساتھ بھی ان کے تعلقات تھے اور فقہ و تشریع کے متعلق ان سے خط و کتابت رہتی تھی۔

روایت ہے کہ امام شافعی نے کہا کہ لیث فقہ میں مالک سے آگے ہیں، لیکن لیث کے ساتھیوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ لیث بن سعد کا اپنا مستقل فقہی مذہب تھا، جو اُن کے نام سے مشہور ہوا۔ اہل مصر نے اس کو اختیار کیا لیکن آخر میں وہ شام کے مذہب اوزاعی کی طرح زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکا لیث ثقہ مانے جاتے تھے اور اہم معاملات میں والی اور قضاۃ ان سے مشورہ کرتے تھے۔

مذکورہ بالا بیان سے پوری طرح واضح ہو گیا کہ فتوحات کے بعد اسلامی سلطنت کے مختلف شہروں میں اہل علم صحابہ کرام پہنچے، ان سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا، و راس طرح ان شہروں میں مختلف مراکز علمی اور مکاتب فکر وجود میں آئے۔ ان علمی مراکز میں اثر و نفوذ کے اعتبار سے یہ شخصیتیں سب سے فوقیت لے گئیں:۔ مدینہ میں عبداللہ بن عمر، کوفہ میں عبداللہ بن مسعود، مکہ میں عبداللہ بن عباس اور مصر میں عبداللہ بن عمرو بن عاص۔

یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان بزرگوں میں سے فرداً فرداً ہر ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال اور اعمال کے علم پر حاوی تھا۔ تعلیمات اسلام کے متعلق ان میں سے ہر ایک کے پاس مکمل معلومات تھیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ بعض وقت ایک صحابی رسول اللہ صلعم کی خدمت میں موجود ہوتا۔ اور وہ آپؐ کا کوئی ارشاد سنتا، یا آپؐ کو کوئی عمل کرتے دیکھتا لیکن اس وقت دوسرا صحابی وہاں موجود نہ ہوتا، اور وہ آپؐ کے اس قول اور عمل سے بےخبر رہتا۔ چنانچہ بعض صحابہ کے پاس آپؐ کی کچھ احادیث تھیں، اور بعض کے پاس

دوسری اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں جہاں یہ صحابہ گئے، وہ اپنے ساتھ اپنی احادیث کو لے گئے، جن کا ان کو علم تھا۔ چنانچہ بعض شہروں میں آپؐ کی کچھ حدیثیں پہنچیں اور کچھ نہ پہنچ سکیں۔ صحابہ کے بعد تابعین آئے۔ انہوں نے صحابہ سے تحصیل علم کی اور وہ اس کی نشر و اشاعت میں لگ گئے۔ تابعین میں سے بعض نے محسوس کیا کہ کچھ ایسی بھی حدیثیں ہیں، جو بعض شہروں میں ہیں، اور بعض میں نہیں۔ چنانچہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ احادیث حاصل کرنے کے لئے کثرت سے سفر کئے اور اس طرح تحصیل علم کے لئے سفرِ سیاحت کا ایک مستقل سلسلہ شروع ہوگیا ایک مصری مدینہ پہنچتا، اور مدینے کے طالب علم کو تحصیل علم کا شوق کوفہ لے جاتا۔ کوفہ کے طالبینِ علم شام کا رخ کرتے اور شامی مصر جاتے۔ غرض اس طرح کی علمی سیاحتوں اور اہل علم کے باہمی روابط نے اسلامی سلطنت کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے علمی مراکز کو متحد کرنے میں بڑا کام کیا۔ اس کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ صحابہ کرام کی الگ الگ علمی شخصیتوں کے جو جدا جدا اثرات مرتب ہوئے تھے، ان کے باہمی اختلافات بہت کم ہوگئے، تابعین نے علمی سیاحتوں کے ذریعہ مختلف شہروں سے اکتساب علم کیا۔ اور ان کے بعد دوسرے ان کے نقش قدم پر گامزن ہوئے۔ اور اس طرح علمی مراکز ذہنی طور پر ایک دوسرے سے قریب ہوتے گئے۔

اس زمانے میں مدارس کے بجائے علماء کے بڑے بڑے حلقہ ہائے درس تھے۔ دنیائے اسلام کے جن جن حصوں میں اصحاب علم صحابہ و تابعین موجود تھے، وہاں ان کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا، جس میں ہر فن کی تعلیم ہوتی تھی ...... اور یہ درس و افادہ کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ ہر صحابی و تابعی کے علم و استعداد کے بقدر اس کے حلقہ درس بھی تھے۔ اور تمام بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ان کا فیض جاری تھا ... مدینۃ العلم مدینہ طیبہ میں کئی حلقہ درس تھے۔ ان میں ربیعہ الرائی کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا۔ اس میں طلبہ کا ہجوم رہتا تھا اور مدینہ کے علماء، اور عمائد و اشراف سب اس میں شریک ہوتے تھے۔ امام مالک اور امام اوزاعی، یحییٰ بن سعید انصاری اور شعبہ وغیرہ جیسے علماء، اسی حلقہ درس کے فیض یافتہ تھے۔ حضرت عمر کے غلام اسلم کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ ایک وقت میں چالیس چالیس فقہا اس میں شریک ہوتے تھے ان میں امام زین العابدین جیسے بزرگ بھی تھے۔

(از تاریخ اسلام بنی امیہ۔ شائع کردہ دار المصنفین اعظم گڑھ)